مولانا قاری عبداللہ صاحب ۔ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

طلبۂ مدارسِ عربیہ اور عملی سیاست

شیخ الحدیث مولانا زکریا سہارنپوریؒ بنام طلبۂ کرام

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ۔

امابعد۔ حضرت اقدس سہارنپوری نوراللہ مرقدہٗ نے جو دین کی خدمت کی ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔ خواہ وہ کسی طریقہ کا رہے ہو۔ سارے دینی کاموں میں حضرتؒ نے کام کیا ہے

اور سیاسی خدمات جو حضرت نے کی ہیں۔ وہ ایک خاموش مجاہد کا درجہ رکھتی ہیں۔ بلکہ عالم اسلام کے عظیم داعی اور مفکر حضرت کے خلیفہ مولانا ابوالحسن علی ندوی نے کھلے الفاظ میں اعتراف کیا ہے۔ ہندوستان میں دینی مدارس اور مسلمانوں کا تحفظ۔ خانقاہوں میں ذکر و اذکار کی بہار یہ سارے برکات کا تاج تین حضرات کا مرہون منت ہے۔ امیر الہند حضرت مدنیؒ حضرت رائے پوریؒ اور گنگوہی علوم کے شارح حضرت سہارنپوریؒ ۔

جہاں تک تدریس کا تعلق ہے اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت کو مجتہدانہ مقام دیا ہے۔ اور یہ وہ حضرات جانتے ہیں جنہوں نے حضرت سے کتابیں پڑھی ہیں امام جلال الدین سیوطی اور حضرت کے بزرگ حضرت تھانویؒ کی یاد تازہ کی ہے۔ حضرت نے ہر فن میں کتابیں لکھی ہیں اور ان پر مستقل تبصرے ہو چکے ہیں۔ دو تین الفاظ اپنی سعادت اور آخرت میں کام آنے کی خاطر ذکر کرتے ہیں۔ حضرت کی لامع الدراری کے بارے میں پاکستان کے سب سے بڑے شیخ الحدیث استاذنا ومولانا عبدالحق صاحب دامت برکاتہم نے ایک دن فرمایا۔ "بخاری کے سارے شروح ایک طرف اور لامع الدراری دوسری طرف"۔ یہی بات حضرت شاہ صاحب کی علوم کے امین مولانا بنوری نے فرمائی ہے۔ حضرت فرماتے ہیں :۔

بخاری شریف کے ابواب و التراجم پر جتنا کام شارحین حضراتؒ نے کیا ہے۔ لیکن ابھی تک امت پر یہ قرض باقی تھا خدا کے فضل سے حضرت سہارنپوریؒ نے یہ قرض ادا کیا ہے (کذا فی مقدمۃ اللامع)

موجودہ حالات کے پیش نظر ہم طلبہ کرام کی خاطر حضرت کی مشہور و معروف کتاب "اسلامی سیاست" سے چند

ارشادات نقل کرتے ہیں جو حضرت کے دل کی گہرائیوں سے نکلے ہوئے ہیں۔ حضرت کی عبارت حسب ذیل ہے :۔

"میں تو طلبہ کی ہر قسم کی عملی سیاست میں شرکت کو ان کے لئے سم قاتل سمجھتا ہوں۔ ممکن ہے کہ میرے بعض اکابر میرے خیال کی زور و شور سے تردید فرمائیں۔ اور بہت ممکن ہے کہ حق بھی وہی ہو جو وہ ارشاد فرمائیں۔ کیونکہ بہرحال وہ میرے بڑے ہیں۔ اور میری رائے ان کے مقابلہ میں کوئی بھی چیز نہیں۔ مگر میری ناقص سمجھ میں تو ابھی تک جتنا غور کرتا ہوں یہی آتا ہے۔ اور بہت سی وجوہ سے میرے خیال خام میں اب تک یہی چیز جمی ہوئی ہے۔ ان میں سے بعض کی جانب تمہیں متوجہ کرتا ہوں۔

الف۔ سَلِ المجرب ولا تسئل الحکیم۔ میں پوچھتا ہوں ایک گہری نظر عالم پر، کم از کم ہندوستان پر ڈال کر یہ دیکھو کہ آج جتنے حضرات علمی دنیا کے مالک ہیں۔ ان کی طالب علمی کا زمانہ ایسا گذرا ہے۔ آج وہ خواہ کسی میدان میں گامزن ہوں لیکن علمی مشغلہ والے بالعموم وہی ملیں گے جو طالب علمی کے زمانہ میں انہماک سے اس میں لگے رہیں گے۔ اور جو حضرات اس زمانہ میں کسی دوسری طرف مشغول رہے ہیں آج وہ شہرت میں خواہ کتنے ہی ممتاز ہوں اور علماء کی فہرست میں خواہ کتنے ہی شمار ہوتے ہوں۔ مگر علمی تدقیق۔ فقہ، حدیث پر ان کی نظر بہت ہی پیچھے ملے گی۔ کسی غیر معمولی فقہی مسئلہ کی ضرورت پیش ہو۔ یا کسی علمی تحقیق و تدقیق کی ضرورت ہو تو ان کا قدم آگے نہیں ملے گا۔ یہ کچھ دلائل کی بات نہیں۔ ہند کے علماء نظر کے سامنے ہیں۔ ایک نگاہ غور سے ڈالو تو پتہ چل جائے گا۔

ب۔ ہمارے اکابر اور اکابر کے اکابر ہمیشہ علم سلوک ان کی جان رہا ہے۔ اور گویا علمی مشغلہ کے ساتھ ان حضرات کے یہاں یہ سلسلہ بھی جزو لاینفک کے قبیل سے رہا اور ہے۔ مگر خلفاً عن سلف سب کے سب کافۃً طلباء کو بیعت سے انکار ہی فرماتے رہے حالاں کہ ان حضرات کے یہاں یہ جزو کتنا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ مگر طالب علم کے لئے اس کو بھی منافی سمجھتے رہے۔

ج۔ تجربہ اور سرسری غور سے اصولاً بھی میری سمجھ میں تو یہی آتا ہے کہ طلبا کا جلسوں اور جلوسوں میں شریک ہونا ایسا نہیں ہے کہ وہ محض وقتی چیز ہو۔ ہفتوں نہیں تو کئی کئی دن تک ان کا تذکرہ ان پر تبصرہ ان کا حسن و قبح طلبا کی مجالس کا اہم مشغلہ رہتا ہے۔

د۔ پھر ان کی اجتماعی زندگی، ایک دارالطلبہ میں ان کا مجموعی قیام چوبیس گھنٹہ کا ساتھ۔ ان مناظرانہ گفتگو کو ختم بھی نہیں ہونے دیتا۔ ہر مجلس میں یہی تذکرہ، ہر وقت یہی بحث، کہاں کا مطالعہ اور کہاں کا تکرار اور کہاں کا سبق۔ یہ روزمرہ کے واقعات ہیں جو انکار کر دینے سے زائل نہیں ہو سکتے۔

ہ۔ پھر ان مناظروں اور اختلافات کا ثمرہ منازعت اور جھگڑوں پر پہنچتا ہے جس خیال کے مجمع کی کثرت ہوتی ہے وہ اقلیت کو دبانے کی کوشش کرتا ہے۔ اول اپنے زور سے، یہ ناکافی ہو تو ناظم مہتمم مدرسہ کے یہاں جھوٹی سچی شکایات

سے اور دوسرا فریق جوابی کوشش میں ان پر جھوٹے افترا اور سچی شکایات کا طومار باندھتا ہے۔ پھر عموماً غالب فریق کے گواہ بھی کثرت سے ہو جاتے ہیں۔ اور مغلوب کے لئے سچی گواہی دینے والے بھی مشکل سے ملتے ہیں۔ ناظمین مدارس عالم الغیب بھی نہیں جس کا ثمرہ اکثر یہ ہو جاتا ہے کہ اصل مجرم بری ہو جاتے ہیں اور بے گناہ ماخوذ، یہ محض تخیلات نہیں واقعات ہیں جو آئے دن مشاہدہ میں آتے ہیں اور ہم لوگ انہیں بھگتتے ہیں۔ اختلاف رائے عام طبقہ میں بھی ہوتا ہے ان میں اختلافات اور نزاعات بھی ہوتے ہیں۔ مگر وہ اکثر وقتی ہوتے ہیں۔ ان کے اجتماعات عموماً مخصوص وقت کے ساتھ ہوتے ہیں۔ جلسہ ختم ہوا تو سب اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ مگر ان لوگوں کا یہی گھر ہے۔ یہی مجلس خانہ۔ ہر وقت ایک ہی جگہ قیام۔ ایسی صورت میں معمولی سا اختلاف بھی شروع ہو جائے تو وہ مہینوں نشو و نما پاتا ہے۔ یہ تو طلباء کا اپنا ماحول ہوا۔ ایک قدم آگے اور بڑھائیے۔

ح۔ کیا مدرسین کسی مدرسہ کے ہم خیال ہیں۔ دو چار ادھر اور دو چار ادھر ہیں۔ اسباق میں معمولی مناسبت سے نہیں بلکہ بلا کسی مناسبت کے بھی بحثیں چھڑ جاتی ہیں۔ ان پر تبصرے ہوتے ہیں۔ رائے زنیاں ہوتی ہیں۔ اپنے ہم خیال لوگوں کی تعریفیں ہوتی ہیں ان کی تقریروں کی مدح و ثنا ہوتی ہے۔ دوسروں پر تنقید ہوتی ہے تضحیک ہوتی ہے ان کی نقلیں اتاری جاتی ہیں۔

ط۔ ایک قدم اور آگے چلئے۔ جماعت کے سب طلباء مدرس کے ہم خیال نہیں ہوتے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جن کی وہ تعریف کر رہا ہے وہ اکثر طلباء کی نگاہ میں تنقید کے قابل ہے۔ اور جن کی مدرس تغلیط کر رہا ہے۔ طلباء اکثر نہیں تو معتد بہ اس کے حامی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ وہ مدرس ان طلبہ کی نگاہ میں بے وقعت ہوتا ہے کج فہم اور متعصب بنتا ہے۔ اور جب طلبہ کے تخیلات مدرس کی طرف سے یہ ہوں گے تو علمی انتفاع معلوم؟ جہاں کہیں ائمہ فن طالب علمی کے اصول لکھتے ہیں۔ اس چیز کو نہایت اہتمام سے ذکر فرماتے ہیں اور محدثین نے تو مستقل طور پر آداب طالب علم کا باب ذکر کیا ہے۔ **جواہر المسالک** کے مقدمہ میں مفصل مذکور ہے۔ اس میں ہر چیز کو خاص طور سے ذکر کیا ہے۔ امام غزالیؒ نے بھی احیاء العلوم میں اس پر مفصل بحث فرمائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ طالب علم کے لئے ضروری ہے کہ استاد کے ہاتھ میں کلیتہً اپنی باگ دیدے۔ اور بالکل اسی طرح انقیاد کرے جیسا کہ بیمار مشفق طبیب کے سامنے ہوتا ہے۔

حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ جس نے مجھے ایک حرف بھی پڑھایا۔ میں اس کا غلام ہوں چاہے وہ مجھے فروخت کردے یا غلام بنالے۔ علامہ زرنوجی نے تعلیم المتعلم میں لکھا ہے کہ میں بہت سے طلباء کو دیکھتا ہوں کہ وہ علم کے منافع سے بہرہ یاب نہیں ہوتے جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ علم حاصل کرنے کے شرائط اور آداب کا لحاظ نہیں رکھتے اس وجہ سے محروم رہتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں انہوں نے ایک مستقل فصل اساتذہ کی تعظیم کے ضروری ہونے میں لکھی ہے

وہ فرماتے ہیں کہ طالب علم سے منتفع ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ علم اور علماء اور اساتذہ کا احترام نہ کرے جس شخص نے جو کچھ حاصل کیا ہے۔ وہ احترام سے کیا ہے۔ اور جو گرا ہے وہ بے حرمتی سے گرا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہی وجہ ہے کہ آدمی گناہ سے کافر نہیں ہوتا۔ دین کے کسی جزء سے بے حرمتی کرنے سے کافر ہو جاتا ہے۔ ولنعم ما قیل

از خدا خواہیم توفیق ادب بے ادب محروم گشت از فضل رب

ہم اللہ جل شانہ سے ادب کی توفیق چاہتے ہیں کہ بے ادب اللہ تعالیٰ کے فضل سے محروم رہتا ہے۔

ادب تاجیست از فضل الٰہی بنہ بر سر برو ہر جا کہ خواہی

یعنی ادب فضل خداوندی کا ایک زبردست تاج ہے اسے سر پر رکھ کر جہاں چاہے چلے جاؤ۔ اور یہ مثل تو مشہور ہی ہے۔ باادب بانصیب بے ادب بے نصیب۔

امام سدید الدین شیرازی فرماتے ہیں۔ کہ میں نے مشائخ سے سنا ہے کہ جو شخص یہ چاہے کہ اس کا لڑکا عالم ہو جائے اسے چاہیئے کہ علماء کا اعزاز و اکرام کرے اور ان کی خدمت بہت زیادہ کرے اگر بیٹا عالم نہ بنا تو پوتا ضرور عالم بنے گا۔ امام شمس الائمہ حلوانی کا قصہ مشہور ہے۔ کہ وہ کسی ضرورت سے کسی گاؤں میں تشریف لے گئے وہاں جتنے شاگرد تھے وہ استاد کی خبر سن کر زیارت کے لئے آئے۔ مگر قاضی ابوبکر حاضر نہ ہو سکے۔ بعد میں جب ملاقات ہوئی تو استاد نے دریافت کیا۔ انہوں نے والدہ کی کسی ضروری خدمت بجا لانے کا عذر کیا۔ شیخ نے فرمایا کہ رزق میں وسعت ہوگی مگر علم سے نفع نہیں ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ویسے بھی عام طور سے مشہور ہے کہ والدین کی خدمت رزق میں زیادتی کا سبب ہوتی ہے۔ اور اساتذہ کی خدمت علم میں ترقی۔ الغرض یہ بالکل طے شدہ امر ہے۔ لیکن ہمارا جو طرز عمل ہے وہ ہر ایک کو معلوم ہے کہ جب شاگردوں اور استادوں کا سیاسی اختلاف ہوتا ہے تو اس پر فقرہ بازی، تنقیص، عیب جوئی وغیرہ میں ابتلا ہوتا ہے۔ انگریزی طلبہ میں بھی جو لوگ طالب علمی میں اساتذہ کی مار کھاتے ہیں وہ ترقی کر کے بلند عہدوں پر فائز ہوتے ہیں۔ جس غرض سے علم حاصل کیا جائے وہ نفع پورے طور پر حاصل ہوتا ہے۔ اور جو اس زمانہ میں استادوں کے ساتھ نخوت و تکبر سے رہتے ہیں وہ بعد میں ڈگریاں حاصل کرنے کے لئے سفارشیں کراتے پھرتے ہیں۔ اگر کہیں ملازمت مل بھی جاتی ہے تو ہر دن اس پر آفات ہی رہتی ہیں۔ بہر حال جو علم بھی ہو اس کا کمال اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک اس کے فن کے اساتذہ کا ادب احترام نہ کرے۔ چہ جائے کہ ان سے مخالفت کرے۔

کتاب ادب الدنیا والدین میں لکھا ہے کہ طالب علم کے لئے استاد کی خوشامد اور اس کے سامنے تذلل و ذلیل بننا ضروری ہے۔ اگر دونوں چیزوں کو اختیار کرے گا تو نفع کمائے گا۔ اور دونوں کو چھوڑ دے گا تو محروم رہے گا